غزوات وسرایا کا قیام امن میں کردار— تجزیاتی مطالعہ

شگفتہ نوید*

Islam is the religion of love and peace which inspires its followers through different teachings and laws towards the comprehensive welfare of the entire humanity so that the life, property and honour of every individual of the society irrespective of his colour, caste, creed, culture and religion must be ensured. During The Madni Prophethood period, The Brotherhood Pact, The Madina Treaty, The Peace Treaty of Hudabia, The Conquest of Makkah and the last and final address of the Holy Prophet (PBUH) at the occasion of his final Hajj are the true and perfect examples of his thoughts and philosophy related to peace and harmony among all the sects of the society at individual and state level. The Holy Prophet (PBUH) had to plan and fight numerous battles during this decisive period. He always raised the flag of peace inspite of all the multi-dimensional challenges at every step and level. Generally, it has been the order of the day to damage badly the property, honour and life of the innocent people during battles like the old, the children and the women. But, contrary to the brutal and inhuman attitude and approach of his opponents, the Holy Prophet (PBUH) always kept in view the absolute welfare, survival and integrity of the humanitywhile planning and fighting all of his battles against the enemies of Islam and humanity.That's why the outcomes of these battles have always been absolutely different to all the wars fought by all the warriors in history. Because of this particular background and prospect, these Holy Wars are a valuable treasure for the formation of the basic rules and regulations for the maintenance of peace, welfare and harmony of the world. These ideal wars unchained humanity from the clutches of brutality, injustice and barbarism and laid down the foundations of lasting peace. Therefore, it is the need of the hour to have a critical, scholarly and literary evaluation of these Holy Wars in the prospective of peace and harmony. This research article has been compiled to fulfill this dire need of the present day world.

Key words: Islam, Holy Prophet, Holy Wars,Peace, Madni Prophethood period.

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو مختلف تعلیمات واحکامات کے ذریعے خیر وعافیت کی دعوت دیتا ہے تاکہ افرادِ معاشرہ کی جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ کیا جا سکے،تاریخی اعتبار سے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ظہورِاسلام سے قبل عربوں کی روحانی، اخلاقی، سماجی اور تمدنی حالت انتہائی پست ہو چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور نجوم پرستی، اصنام پرستی، اوہام پرستی اور کہانت کی عالم گیر تاریکیوں میں چُھپ چکا تھا، اخلاقی قدروں کو جذبات فاسدہ نے پامال کر دیا تھا، عرب قبائل میں باہمی جدل وقتال اور وحشت وبربریت کے باعث انسانیت کا شیرازہ پراگندہ ہو چکا تھا، یہ وہ حالات تھے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپؐ سے لوگوں کی یہ مظلومیت وبے بسی برداشت نہ ہوئی

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔

لہٰذا آپ نے اُن کو اِن ناگفتہ بہ حالات سے نکالنے اور ان کے درمیان امن وامان کی فضا قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، عدل وانصاف کا میزان قائم کیا اور لسانی و قومی عصبیتوں کے خاتمے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ مدنی عہدِ نبوت میں مؤاخات، میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور خطبۂ حجۃ الوداع، آپؐ کے امن وسلامتی سے متعلق افکار و نظریات کی خوبصورت جھلکیاں ہیں۔ اس عہد میں جناب نبی کریم ﷺ کو بیشتر غزوات و سرایا کی منصوبہ بندی کرنا پڑی، تمام تر سیاسی و عسکری دباؤ کے باوجود آپؐ نے امن کی دعوت کا علم اٹھائے رکھا، دورانِ جنگ مخالفین کا کشت وخون اوران کی املاک کی تباہی وبربادی عمومی طور پر انسانوں کا وطیرہ رہا ہے، اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے جنگی حکمتِ عملی میں انسانیت کی فلاح وبہبود اوراس کی بقاء وسالمیت کو مدِّ نظر رکھا، یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کا عملی نتیجہ عام جنگوں کے نتائج سے قطعاً مختلف برآمد ہوا۔اِس مخصوص سیاسی و عسکری پس منظر میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ جنگیں امنِ عالم کے قیام کے لیے بنیادی اصول وضوابط کی تشکیل اور منصوبہ بندی کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ یہ ایسی مثالی جنگیں ہیں جنہوں نے انسانیت کو ظلم سے نجات دلائی اور امن کے مستقل قیام کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ ان حقائق کے برعکس بعض اہلِ مغرب خصوصاً مستشرقین کی اکثریت کا تاثر یہ ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے معاشرہ امن وآشتی سے محروم ہو گیا ،لوگوں میں خون ریزی کا بازار گرم ہو گیا، لوگ ایک دوسرے سے جنگوں میں الجھے رہے، اِن کی وجہ سے ان کی عزت، جان اور مال کو تحفظ حاصل نہ رہا۔ تاریخی اعتبار سے واقعات وشواہد کی یہ تصویر کشی خلافِ حقیقت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جنگی حالات میں بھی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کی پاسداری فرمائی۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کا خیال رکھا، ظلم اور بلاجواز تشدد کی ممانعت فرمائی، مظلوم کی مدد کا درس دیا، عہد شکنی سے گریز کی ہدایت فرمائی، غیر حربی افراد نیز بوڑھوں، بچوں، خواتین، تاجروں، کسانوں اور خدمت گزاروں کے قتل سے منع فرمایا، تباہ کاری، مثلہ، قتلِ اسیر اور قتلِ سفیر ایسے منفی اقدامات سے منع فرمایا، درخت کاٹنے، جانوروں کو ذبح کرنے، عبادت گاہوں کے اِنہدام، مالِ غنیمت کی تقسیم میں خیانت کرنے، فوجوں کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو نقصان پہنچانے، کھیتوں کو تباہ کرنے، لوٹ مار کرنے، لوگوں کی عزت وآبرو کو پامال کرنے اور آگ لگانے سے منع فرمایا۔ الغرض حضور ﷺ کی طرف سے بہت سی ایسی تدابیر اختیار کی گئی تھیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان غزوات وسرایا کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ معاشرے کو امن وسکون فراہم کرنا تھا۔ غزوات وسرایا کا

قیامِ امن کے حوالے سے مطالعہ دورِ حاضر کی ایک اہم علمی وفکری ضرورت ہے نیزاِن بامقصد جنگوں کا ناقدانہ جائزہ سیاسی وعسکری اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، سیرت النبیؐ سے متعلق اِن تحقیقی وتنقیدی تقاضوں کی تکمیل کے پیشِ نظر مقالہ ہذا کے لئے موضوعِ تحقیق کے طور پر "غزوات وسرایا کا قیامِ امن میں کردار: تجزیاتی مطالعہ " کا انتخاب کیا گیا ہے۔

موضوع ہذا بنیادی طور پر سیرتِ طیبہ،تاریخِ اسلام،اسلامی تہذیب وتمد ن اوراسلام کے نظریۂ جنگ سے متعلق ہے، اس ضمن میں محققین اور علمائے اسلام کی جو گراں قدر تصانیف وتالیفات منظرِ عام پرآئی ہیں اُن میں امام محمد بن حسن الشیبانیؒ(م ۱۸۹ھ)کی"السیر الکبیر" ، ابن ہشامؒ(م۲۱۸ھ)کی"السیرۃ النبویۃ"،ابن سعدؒ(م۲۳۰ھ)کی"الطبقات الکبریٰ"،ابن قتیبہ الدینوریؒ(م۲۷۶ھ)کی"المعارف"،ابوحنیفہ

الدینوریؒ(م۲۷۹ھ)کی"الاخبارالطوال"،البلاذریؒ(م۲۷۹ھ)کی"فتوح

البلدان"،یعقوبیؒ(م۲۹۲ھ)کی"تاریخ الیعقوبی"،طبریؒ(م۳۱۰ھ)کی"تاریخ طبری المعروف بتاریخ الامم والملوک"،ابن عبدربہؒ(م۳۲۷ھ)کی"العقدالفرید"،مسعودیؒ(م۳۴۶ھ)کی"مروج الذھب ومعادن الجوھر"،خطیب بغدادیؒ(م۴۶۳ھ)کی"تاریخ بغداد"،ابن عساکرؒ(م۵۷۱ھ)کی"تاریخ ابن عساکر"،ابن جوزیؒ(م۵۹۷ھ)کی"المنتظم فی تاریخ الملوک والامم"،ابن اثیرؒ(م۶۳۲ھ)کی"الکامل فی التاریخ"،ابن خلکانؒ(م۶۸۱ھ)کی "وفیات الاعیان وانباءُ ابناء الزمان"،ابن کثیرؒ(م۷۷۴ھ)کی"البدایہ والنھایہ"،ابن خلدونؒ(م۸۰۸ھ)کی "کتاب العبرالمعروف بتاریخ ابن خلدون"،جلال الدین سیوطیؒ(م۹۱۱ھ)کی"تاریخ الخلفاء"،محمدالحضری بکؒ(م۱۹۲۷ء)کی"تاریخ الامم الاسلامیہ"،خیرالدین الزرکلیؒ(م۱۹۷۶ء)کی"الاعلام"، سیدابوالاعلیٰ مودودیؒ(م۱۹۷۹ء)کی"الجہادفی الاسلام"،ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ(م۲۰۰۲ء)کی"مجموعۃالوثائقالسیاسیۃ للعہدالنبوی والخلافۃ الراشدۃ"،"عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی"اور"رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی"، ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی"میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ"،ڈاکٹر وہبۃالزحیلی کی"آثارالحرب"، پروفیسر محمد رفیق کی"نبی امن وآشتی"،حافظ محمد عباس انجم کی"پیغمبرامن"، محمد یسین سروہی کی"اسلام امن وسلامتی کا درس دیتا ہے"،ڈاکٹر حافظ محمد ثانی کی"رسول اکرم اور رواداری"،ڈاکٹر محمد ظاہر شاہ کی"غزوات فقہی تناظر میں"اورڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی کی"غزواتِ نبوی کے اقتصادی پہلو" قابل

ذکر ہیں۔ لیکن قیام امن کے لیے غزوات وسرایا میں کیا حکمت عملی اختیار کی گئی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے۔اس پر کوئی مربوط و منظم تصنیف یا تالیف منصّۂ شہود پر نہیں آ سکی،اسی علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے موضوع ہذا کا انتخاب کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا کو تمہید کے بعد تین اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے، تمہیدی کلمات میں موضوعِ تحقیق کے تعارف،اہمیت اور علمی و فکری پس منظر پر تبصرہ کرتے ہوئے موضوع زیرِ بحث سے متعلق سابقہ تصنیفی و تالیفی کام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے نیز مقالہ ہذا کی داخلی عنوانات کے اعتبار سے تقسیم واضح کی گئی ہے۔پہلے جزو میں امن کے مفہوم کو واضح کر کے ادیانِ عالم میں اِس کی اہمیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔دوسرے جزو میں غزوات وسرایا کے حوالے سے قیامِ امن کی نبوی حکمتِ عملی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے،اس ضمن میں بیس نکات پر مشتمل علمی بحث کو قرآن مجید کی آیات، احادیثِ نبویہ،اقوالِ صحابہ،سیرت نگاران کے بیانات اور مؤرخین کے تجزیوں سے مزیّن کیا گیا ہے۔تیسرے یعنی آخری جزو میں نتیجۂ مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔

ا۔امن کا مفہوم اور ادیانِ عالم میں اس کی اہمیت

''امن'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ الف، م،ن ہے، یہ لغوی اعتبار سے مختلف الجہات معانی کا حامل ہے، عمومی طور پر مطمئن اور بے خوف ہونا،(۱)اس سے مراد لیا جاتا ہے۔امن،خوف کی ضد ہے۔(۲)امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے خاتمے کے ہیں۔لفظ'' امن ''سے ہی''امان'' اور'' امانت''کے الفاظ برآمد ہوئے ہیں،امان کے معنی حالتِ امن جبکہ امانت اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بغرضِ حفاظت رکھی جائے۔(۳)صاحب فیروز اللغات لکھتے ہیں کہ امن میں چین، اطمینان ، سکون اور آرام کے علاوہ صلح وآشتی اور پناہ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔(۴)مختلف تعریفات وبیانات کے پس منظر میں امن سے مراد جنگ اور جنگی کاروائیوں سے آزادی، بین الاقوامی تعلقات میں اتحاد اور کسی قوم کی وہ کیفیت ہے جس میں وہ کسی دوسری قوم سے حالتِ جنگ میں نہ ہو نیز آسودگیٔ قلب، داخلی اطمینان وسکون، ہیجانی کیفیت سے نجات، معاشرتی اعتبار سے باہمی تعاون واشتراک، سازگار فضا، حقوق وفرائض کی متوازن ادائیگی اور معاشرتی حسن وخوبی بھی امن کے مفہوم میں شامل ہیں،یوں امن کے تصور کو محض جنگ بندی سے وابستہ نہ سمجھا جائے بلکہ یہ انسان کی انفرادی، معاشرتی ، مذہبی ، اخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع تر مفہوم

کو سمیٹے ہوئے ہے، یہ اُس مثالی کیفیت کا نام ہے جہاں زندگی کے تمام شعبے شاہراہِ ترقی پر اندیشۂ رہزنی کے بغیر سفر کرتے ہیں۔

مختلف اقوام و ملل میں امن کا تصور مختلف رہا ہے، قدیم یونانیوں کے نزدیک اسکے معانی جنگ کی مخالفت کے ہیں۔(۵) قدیم عبرانیوں کے ہاں امن کا مطلب صرف جنگ کا خاتمہ ہی نہیں تھا، بلکہ خوشحالی اور فلاح و بہبود بھی اِس کے مفہوم میں شامل تھے۔ بائبلکی مشہور عبارت ہے کہ تمام قومیں شریعت سیکھنے کے لیے یروشلم جارہی تھیں، انہوں نے اپنی تلواروں سے ہل بنالیے اور اپنے نیزوں سے کلہاڑیاں بنالیں۔ میکاہ نے اس صورتِ حال پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ لوگوں نے جنگی فنون سیکھنا چھوڑ دیے بلکہ ہر شخص اپنے انجیر اور انگور کی بیلوں کے نیچے امن و سکون سے بیٹھا رہتا تھا اور چھوٹے کسان بڑے جاگیرداروں کے ساتھ امن و سکون سے رہنے لگے تھے۔ بہتر مستقبل کے حصول کے لیے جدوجہد کی وجہ سے ساوادی بادشاہ(Sava Die King) کو امن کا شہزادہ کہا جاتا ہے، اس کی حکومت لامحدود اور پرامن تھی۔ اس مخصوص عہد میں اسرائیلیوں کے نزدیک امن ایک معاشرتی تصور تھا جس کی جھلکیاں ارد گرد کے ماحول میں نظر بھی آتی تھیں۔ اسسے خاندانوں اور قوموں کے درمیان وسیع تعلقات قائم ہوئے۔(۶) مسیحیت کے مذہبی و تاریخی مصادر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امن ایک طرف روحانی سکون کا نام ہے جبکہ دوسری طرف معاشرتی و سیاسی ہم آہنگی اور عدل کے قیام کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی پس منظر میں مسیحیوں کے ہاں انصاف کی جنگ کا تصور متعارف ہوا ہے۔(۷) بائبل میں امن سے متعلق مختلف تصورات اور اُن کے مختلف الجہات پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے مسیحی دانشور جمشید البرٹ نے لکھا ہے کہ امن ایک بخشش ہے جو ہمیں خدا کی طرف سے ملتی ہے اور یہ ہماری منزلِ مقصود بن جاتی ہے جس کو پانے کے لئے ہمیں جانفشانی کی ضرورت ہے۔ اُنہوں نے امن کو ایسی مثالی حالت قرار دیا ہے جس کا نتیجہ ہم آہنگی اور خوش اوقاتی ہے نیز وہ امن کو منصفانہ نظام، شخصی آزادی، انسانی وقار، محبت کا پھول اور حقیقی یکجہتی کے اظہار سے تعبیر کرتے ہیں۔(۸) مسیحی فکر و فلسفہ پر گہری نظر رکھنے والی معروف مصنفہ آئرہ اندریاس نے لکھا ہے کہ امن کا تعلق خوشی، انصاف، صحت اور دوسرے انسانی معیارات سے ہے۔ اُنہوں نے امن کو جذباتی بہبود کی لازمی شرط قرار دیا ہے۔(۹) ہندوؤں کے تصورات امن میں اطمینان، خاموشی، ذہنی سکون، جذبات کی عدم موجودگی اور تکلیف کا عدمِ احساس شامل ہیں۔(۱۰) ہندوستان میں جین مت عدمِ تشدد کا پرچار کرنے کی وجہ

سے ایک قابل ذکر مذہب ہے، ان کے کچھ مندروں پر آج بھی یہ عبارت درج ہے کہ عدمِ تشدد سب سے اعلیٰ مذہب ہے، اس کی تعلیمات کے مطابق نروان ایک ناقابل بیان اور جذبات سے ماوراء کیفیت کا نام ہے۔(۱۱) جین مت والوں کی طرح بدھ مت نے بھی نروان کی تعلیم دی ہے لیکن بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق نروان ایک بہت ہی بلند و بالا، اعلیٰ اور ایسی غیر متزلزل کیفیت کا نام ہے جو خوشیاں اور روشنی بکھیرتی ہے۔(۱۲) ادیانِ عالم کی تعلیمات کے مطالعہ و تجزیہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ تصوراتِ امن کے اعتبار سے سامی اور غیر سامی ادیان نمایاں طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ غیر سامی ادیان یعنی ہندومت، جین مت اور بدھ مت میں امن کا تصور محدود اور صرف انسان کی ذات اور اس کے داخلی امن و سکون تک محدود ہے۔ اس کے برعکس سامی ادیان یعنی یہودیت اور مسیحیت میں امن کا مفہوم زیادہ وسیع و جامع نظر آتا ہے، یوں اِن کے ہاں امن کے داخلی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے سماجی اور سیاسی پہلو بھی نمایاں ہیں۔

مذاہبِ عالم کی عمومی تعلیمات کے عین مطابق اسلام بھی امن اور صلح و آشتی کا داعی ہے، یہ فساد، بدامنی، قتلِ ناحق اور مذہبی دل آزاری ایسے اقدامات سے منع کرتا ہے، اس کے برعکس انسان دوستی پر مبنی یہ مذہب ظالموں کے خلاف جہاد، پُرامن لوگوں سے صُلح جُوئی، عزت و آبرو کے تحفظ، عدل وانصاف کے قیام اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کا درس دیتا ہے۔ یہ فساد کو واضح طور ایک ناپسندیدہ عمل قرار دیتا ہے،(۱۳) نیز بدامنی اور فساد کے خاتمے کے لیے سزاؤں کا ایک بہترین نظام متعارف کراتا ہے۔ فساد پھیلانے والوں کو قتل کرنے یا سولی پر لٹکائے جانے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹے جانے یا ان کو ملک بدر کرنے کی سزائیں سناتا ہے۔(۱۴) قتل ناحق کا قصاص لینے پر اصرار کرتا ہے۔(۱۵) ظلم کا راستہ بہر صورت روکنے کی تلقین کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہؓ نے عرض کی کہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے مگر ظالم کی کیسے مدد کی جائے، فرمایا کہ اُسے ظلم سے روک کر۔(۱۶) اسلامی فکر و فلسفہ میں امن قائم کرنے کے لئے صلح جوئی کو فروغ دیا گیا ہے، اس ضمن میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو۔(۱۷) عزت و وقار کا تحفظ قیام امن میں

بڑی اہمیت رکھتا ہے، چونکہ لوگوں کا مذاق اُڑانا، طعن وتشنیع کرنا، برے القاب سے پکارنا اور غیبت کرنا ،ایسے اعمال ہیں جن سے لوگوں کی توہین ہوتی ہے اور عزت داؤپر لگ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے منفی اثرات کے حامل ان اعمال سے اجتناب کرنے کا درس دیا ہے،(۱۸) نیز انسانوں کی جان، مال اور عزت کو محترم قرار دیا ہے۔(۱۹) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔(۲۰) مذہبی رہنماؤں کی تکریم کا سبق دیا گیا ہے،(۲۱) چونکہ عدل اور امن لازم وملزوم ہیں اس لئے ہر معاملہ میں عدل کی تلقین کی گئی ہے۔(۲۲) اسلام اور امن کے باہمی تعلق کی وضاحت اس قرآنی اعلان سے ہوتی ہے کہ مکہ امن کی جگہ ہے۔(۲۳) قرآن وحدیث میں مذکور یہ تعلیمات اس حقیقت کی عکاس ہیں کہ اسلام دنیا میں امن کے قیام کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس ضمن میں انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات میں عملی اقدامات کی ہدایت کرتا ہے۔

۲۔ غزوات وسرایا میں قیامِ امن کی حکمتِ عملی کا تجزیہ

رسول اللہ ﷺ کی امن سے متعلق حکمتِ عملی کے بہت سے مظاہر غزوات وسرایا میں نظر آتے ہیں۔ ''غزوہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے نکلنا کے ہیں۔(۲۴) قرآن مجید میں ہے: ''أَوْ كَانُوا غُزًّى''(۲۵)، اس کا معنٰی ہے: ''یا وہ جنگ کر رہے تھے۔'' اصطلاحی اعتبار سے غزوہ وہ جنگی کارروائی ہے جس میں آپ ﷺ نے خود بطور سپہ سالار شرکت فرمائی ہو۔ غزوہ کا متوازی ایک دوسرا لفظ ''سریّہ'' ہے جس کا لغوی معنٰی تیر کا چھوٹا اور گول پھل یا پانچ سے چار سو آدمیوں پر مشتمل فوج کا چھوٹا لشکر ہے،(۲۶) اسے سریّہ کہنے کا پس منظر یہ ہے کہ لوگ رات کو خفیہ طور پر چلتے تھے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو جائے، وہ بھاگ نہ جائے یا اپنے دفاع کے لیے کچھ کر نہ لے۔(۲۷) مسلمانوں کے تخلیق کردہ ادبِ سیرت میں ''سریّہ'' سے مراد وہ جنگی کارروائی ہے جس میں نبی کریم ﷺ خود شریک نہ ہوئے ہوں اور سپہ سالاری کی ذمہ داری کسی دوسرے فرد کو سونپ دی ہو۔ لفظی مباحث سے قطع نظر، غزوات وسرایا، عہدِ رسالت کی وہ بامقصد جنگیں ہیں جن کی منصوبہ بندی اور حکمتِ عملی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر رسول اللہ ﷺ نے تشکیل دی۔ سیرت نگاران اور مؤرخین کے ہاں اِن جنگوں کی حتمی تعداد پر اتفاق نہیں ہے،(۲۸) البتہ غزوات یہ ہیں: ابواء، بواط، عشیرہ، بدر، سویق، غطفان، نجران، اُحد، بنی نضیر، ذات الرقاع، دومۃ الجندل، بنی

مصطلق،احزاب،بنی قریظہ،بنی لحیان، خیبر،موتہ اور تبوک معروف ہیں جبکہ سرایامیں حمزہ عبیدہ بن الحارث، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن جحش،سالم بن عمیر، عمیر بن عدی،زید بن حارثہ،عبداللہ بن انیس،مرثد بن ابی مرثد،محمد بن مسلمہ انصاری،عکاشہ بن محصن،ابوعبیدہ بن الجراح،جموم،عیص،طرف، حسمی،فدک،عبداللہ بن عتیک،بشیر بن سعد،عمر بن العاص،خالد بن ولید،ضحاک بن سفیان،علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کے حوالہ جات ملتے ہیں۔(۲۹)

عمومی انسانی روش کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے غزوات و سرایا میں بدامنی پھیلانے،خون ریزی کا بازار گرم کرنے، لوگوں کی عزت وجان اور مال کوعدمِ تحفظ کا شکار کرنے سے ہر ممکن طریقے سے گریز کیا،آپؐ نے جنگی حالات وواقعات میں بھی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کی پاسداری فرمائی۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کا خیال رکھا، ظلم اور بلاجواز تشدد کی ممانعت فرمائی، مظلوم کی مدد کا درس دیا، عہد شکنی سے اجتناب کی ہدایت فرمائی اور غیر حربی افراد نیز بوڑھوں،بچوں،خواتین،تاجروں،کسانوں اور خدمت گزاروں کے قتل سے منع فرمایا۔تباہ کاری،مثلہ، قتلِ اسیر، قتلِ سفیر نیز دشمن کے درخت کاٹنے، جانوروں کو ذبح کرنے،عبادت گاہوں کے انہدام،مالِ غنیمت کی تقسیم میں خیانت کرنے،فوجوں کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو نقصان پہنچانے، کھیتوں کو تباہ کرنے،لوٹ مار کرنے اور آگ لگانے سے منع فرمایا۔الغرض آپؐ کی طرف سے بہت سی ایسی تدابیر اختیار کی گئی تھیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان غزوات وسرایا کا بنیادی مقصد دین اسلام کو سربلند کرنا اور معاشرے کو امن وسکون فراہم کرنا تھا۔ذیل میں مذکورہ تدابیر کا مختصر تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

ا۔حقوق کا دفاع

عزت،مال،جان،اہل وعیال،گھر،علاقہ اور وطن کا تحفظ،ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔دنیا کا کوئی قانون یا اخلاقی ضابطہ کسی فرد یا جماعت کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی کے اس بنیادی حقکو پامال کرے۔اسلام حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا علمبردار ہے،اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس حق کے دفاع وتحفظ کو بڑی اہمیت دی۔ارشادِ ربانی ہے:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا(۳۰)

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو۔''

اگر کوئی شخص ان حقوق کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو اپنے گھر والوں کی حفاظت یا دین کے دفاع میں قتل ہو جائے، وہ بھی شہید ہے۔(۳۱)

۲۔ ظلم کا بدلہ

ظلم کا خاتمہ اسلامی تعلیمات کا لازمی تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (۳۲)

''جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انہیں جہاد کی اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔''

یاد رہے کہ انسانی فطرت سلیمہ کسی بھی ظلم کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کے عین مطابق اسلام نے ظلم کی ہر صورت کو ناجائز قرار دیا ہے اور ظلم کو دور کرنے کا حکم دیا ہے:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ(۳۳)

''اور تم انہیں جہاں بھی پاؤ، قتل کر دو اور تم انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔''

۳۔ مظلوم کی مدد

اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر ان کی مدد کرنا اور انہیں ظالموں کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے، اس مقصد کے لیے جہاد کیا جائے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ (۳۴)

''اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی حمایت سے تمہیں کوئی غرض نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے، مگر اس قوم کے خلاف مدد نہیں کرنی جس کا تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ ہو۔''

مظلوموں کی مدد کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کسی خطے میں غیر مسلموں پر ظلم ہو تو مسلمانوں پر بقدر استطاعت یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی مدد کریں کیونکہ اسلام ظلم کی

کوئی صورت برداشت نہیں کرتا ، خواہ وہ مسلمانوں پر ہو رہا ہو یا غیر مسلموں پر۔

۴۔ غلبۂ دین

احیائے دین کے لئے اگر لڑنا ضروری ہو جائے تو ایسا کرنا ہی دینی تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (۳۵)

"اور تم ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو۔"

اس حکمِ خدا کی وضاحت اِس فرمانِ رسولؐ سے ہوتی ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑتا رہوں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب لوگ ایسا کریں گے تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے اور ان کا اخروی حساب اللہ کے ذمہ ہے۔(۳۶) دراصل فتنہ و فساد کی سرکوبی ہی غلبۂ دین ہے، فتنے سے مراد وہ مزاحمت اور قوت ہے جو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی راہ میں آڑے آئے اور اس سے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنا، ممکن نہ رہے۔ اسلام صرف مدافعانہ جنگ کا قائل نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت میں جو قوت رکاوٹ بنے، اس سے جارحانہ جنگ کرنا ضروری ہے تاآنکہ ایسی رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور اللہ کا دین غالب ہو۔

۵۔ داخلی امن و استحکام

دشمن معاشروں، قوموں اور ملکوں کو اندرونی سازشوں اور تخریب کاریوں کا شکار بنا کر انہیں کمزور کرنے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کو ہمیشہ سے ایک کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے بعض شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ داخلی طور پر بھی جہاد کو مشروع قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُـقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَاوَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(۳۷)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انہیں بری طرح قتل کیا جائے یا بری طرح سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے بری طرح کاٹ دیے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت

ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ بے شک اللہ بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

۶۔ عہد شکنی کی سزا

اگر کوئی قوم مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے اپنے کسی معاہدے کی واضح طور پر خلاف ورزی کرے تو اس عہد شکنی کے جرم میں اس کے ساتھ جہاد کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ O اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳۸)

"اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے ان سرداروں سے جنگ کرو۔ بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ باز آئیں، کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے پہل تم سے لڑائی کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔"

اس آیت میں واضح طور پر پیغام دیا جا رہا ہے کہ غزوات وسرایا کے مقاصد میں کہیں بھی دہشت گردی اور فتنہ وفساد کو تقویت دینا نہیں ہے بلکہ امن وسلامتی اور مجرموں کی سرکوبی ہی ان کے مقاصد میں شامل ہے۔ غزوات وسرایا کے دوران نبی کریم ﷺ کی جو ہدایات ہوتی تھیں، ان کا اگر بنظرِ غائر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان میں آپؐ نے غیر اہلِ قتال کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی بوڑھے، بچے، نابالغ لڑکے اور عورت کو قتل نہ کرو، اموالِ غنیمت میں چوری نہ کرو، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آجائے سب کو ایک جگہ جمع کر دو علاوہ ازیں نیکی اور احسان کرو۔(۳۹)

۷۔ اہل قتال کے حقوق

اسلام نے اہل قتال کے بارے میں بھی کچھ آداب وحقوق مقرر کیے ہیں، ان کی تفصیلیوں ہے:

i۔ غفلت میں حملہ کرنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ عرب عموماً شب خون مارتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس عادت کو پسند نہیں فرمایا اور صبح سے پہلے حملہ کرنے کی ممانعت فرمائی، حضرت انسؓ غزوہ خیبر کا

ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر نبی اکرم ﷺ کسی قوم پر حملہ کرنے کی غرض سے رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے اس پر حملہ نہیں کرتے تھے۔"(۴۰)

ii۔ دشمن کو آگ میں جلانے کی ممانعت کی گئی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا عذاب دینا، سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے، کسی اور کو سزاوار نہیں۔(۴۱)

iii۔ باندھ کر قتل کرنے سے منع کیا گیا، حضرت ابوایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتلِ صبر یعنی باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔"(۴۲)

۸۔ لوٹ مار کی ممانعت

غزوات وسرایاانسانی اخلاقیات کے وہ شاہکار ہیں جن کی مثال کوئی اور قوم پیش نہیں کر سکتی، ان جنگوں میں لوٹ مار کی بالکل اجازت نہ دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلم مجاہدین کے لئے یہ جائز نہیں کہ بلااجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہوں، اُن کی عورتوں کو ماریں پیٹیں اور اُن کے باغات کے پھل کھائیں۔(۴۳)

۹۔ تباہ کاری کی ممانعت

افواج کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی کرنا، اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ(۴۴)

"اور جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے ،اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔"

۱۰۔ مثلہ کی ممانعت

دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کرنا اور ان کے اعضاء کی قطع و برید کرنے سے بھی اسلام نے سختی سے منع کیا، حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۴۵) نیز مجاہدین کو روانگی سے پہلے آپ ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بدعہدی نہ کرو، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔(۴۶)

۱۱۔ قتل اسیر کی ممانعت

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اعلان فرمایا کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔(۴۷)تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ کسی قیدی کو قتل کر دیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی، انہوں نے حوالہ کے طور پر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (۴۸)

''جب تم انہیں خوب قتل کر چکو تو ان کو مضبوطی سے باندھ دو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا استدلال یہ تھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیدی کو مقید رکھو یا احسان کر کے رہا کر دو یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔(۴۹)

۱۲۔ قتل سفیر کی ممانعت

سفیروں اور قاصدوں کے قتل سے بھی نبی رحمت ﷺ نے منع فرمایا ہے، مسیلمہ کذاب کی طرف سے دو آدمی بطورِ قاصد گستاخانہ پیغام لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن اُڑا دیتا۔(۵۰)

۱۳۔ بدعہدی کی ممانعت

عہد توڑنے اور معاہدین یعنی ذمیوں پر دست درازی کرنے کی مذمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی ذمی کو قتل کرے گا، اس کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہو گی۔(۵۱)ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بد عہدی کرنے والے کے لیے ایک جھنڈا ہو گا جو قیامت کے دن اس کی بد عہدی کے مطابق بلند کیا جائے گا، یاد رکھو! غدار سردارِ قوم سے بڑا غدار کوئی نہ ہو گا۔(۵۲)

۱۴۔ بد نظمی اور انتشار کی ممانعت

عرب لوگ دور جاہلیت میں جب جنگ کے لیے نکلتے تو بد نظمی کا شکار ہوتے، راستوں کو تنگ کرتے اور آبادیوں کو پریشان کرتے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو اس بات کی شکایت پہنچی کہ مجاہدین میں

بد نظمی پھیلی ہوئی ہے اور منزل کو تنگ کر رکھا ہے تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا تو اس کا جہاد قابل قبول نہیں ہے۔(۵۳)

۱۵۔ شور و ہنگامہ کی ممانعت

عرب جنگ میں اتنا شور کرتے تھے کہ اس کی وجہ سے جنگ کا نام ''اَلوَغی ''یعنی شور و ہنگامہ پڑ گیا تھا، حضور ﷺ نے اس بات سے منع کیا۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم کسی وادی میں اُترتے تو ''لاالہ الااللہ ''اور ''اللہ اکبر ''کہتے، اس سے ہماری آواز بلند ہو جاتی، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہاے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ، کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو، وہ تو تمہارے ساتھ ہی ہے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور بڑا ہی قریب ہے۔(۵۴)

۱۶۔ عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو دیکھا جسے قتل کر دیا گیا تھا، اس پر آپؐ نے سختی سے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی۔(۵۵)اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بڑے سخت کلمات کے ذریعے صحابہؓ کو غیر مسلموں کے بچے قتل کرنے سے بھی منع فرمایا اور ان کلمات کو بار بار تاکیداً دہرایا۔ حضرت اسود بن سریعؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں شریک تھے، ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا، ہم نے مشرکین سے قتال کیا، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے بعض بچوں کو قتل کر ڈالا، یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جن کے قتل کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے بچوں تک کو قتل کر ڈالا؟ خبردار! بچوں کو ہر گز قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو ہر گز قتل نہ کرو۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہؐ! کیوں؟ کیا وہ مشرکوں کے بچے نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے بہترین لوگ بھی مشرکوں کے بچے نہیں تھے؟(۵۶)

۱۷۔ بوڑھوں کے قتل کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ کے نظریۂ جنگ میں انسانوں کے لئے ہر اعتبار سے خیر کا پہلو غالب ہے، اسی لئے یہ حکمتِ عملی نظر آتی ہے کہ کم از کم نقصان کر کے امن کو قائم کیا جائے، جہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کو ممنوع قرار دیا گیا وہیں بوڑھوں کے قتل کیبھی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی۔ حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی بوڑھے کو قتل کرو، نہ شیر خوار بچے کو، نہ نابالغ کو اور نہ عورت کو۔ (۵۷) سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے مروی حدیثِ نبوی کو امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب اسلامی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ فرماتے تو یوں ہدایات دیتے کہ کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خشک و ویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی دوسرے درخت کو نہ کاٹنا، کسی انسان کا مثلہ نہ کرنا، کسی جانور کا مثلہ نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور چوری و خیانت نہ کرنا۔ (۵۸)

۱۸۔ درختوں کو کاٹنے کی ممانعت

جنگی اخلاقیات کا جو وسیع باب سیرتِ طیبہ کا خاصہ ہے اُس کا اثر اصحابِ رسولؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ پر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ امام بیہقی حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب اسلامی لشکروں کو جہاد کی مہم پر روانہ کرتے تو انہیں بطور وصیت فرماتے کہ کھجور کے باغات کو تباہ و برباد نہ کرنا، نہ انہیں جلانا، نہ کسی چوپائے کو ذبح کرنا، نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، نہ کوئی گرجا گرانا، نہ بچوں کو قتل کرنا، نہ بوڑھوں کو اور نہ عورتوں کو۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت گاہوں میں پابند کر رکھا ہو گا، پس تم انہیں اور جس چیز کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو پابند کر رکھا ہے، چھوڑ دینا۔ (۵۹) اسی طرح کی دوسری روایت حضرت صالح بن کیسانؒ سے مروی ہے جسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شام کی طرف لشکر روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم عنقریب ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے عبادت گاہوں میں اپنے آپ کو روک رکھا ہو گا، پس تم انہیں اور جس چیز کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو روک رکھا ہے، کو چھوڑ دینا۔ اور شیخ فانی یعنی ضعیف، عمر رسیدہ یا قریب المرگ شخص، عورت اور بچے کو قتل نہ کرنا، آبادی کو ویران نہ کرنا، بلا ضرورت

درخت نہ کاٹنا، نہ چوپائے کو ذبح کرنا، کھجوروں کے باغات نہ جلانا، نہ انہیں تباہ و برباد کرنا، نہ غداری کرنا، نہ مثلہ کرنا، نہ بزدلی دکھانا اور نہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں دھوکہ بازی کرنا۔(۶۰)

۱۹۔تاجروں، کاشتکاروں اور خادموں کے قتل کی ممانعت

اسلام دورانِ جنگ اور فتوحات کے بعد غیر مسلم معاشرے کے تاجروں، کاشت کاروں اور خدمت گزاروں کے قتل کا بھی صریح مخالف ہے، امام بیہقی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان کبھی بھی مشرک تاجروں کو قتل نہیں کرتے تھے۔(۶۱) امام بیہقی، حضرت زید بن وہبؒ سے بیان کرتے ہیں کہ اُن کے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا جس میں آپؓ نے فرمایا تھا کہ امام بیہقی کی بیان کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ کسانوں کے معاملہ میں اللہ تعالی سے ڈرو اور انہیں قتل نہ کرو۔(۶۲) اسلام کے اخلاقی قوانین میں دورانِ جنگ خدمت پر مامور افراد کے قتل کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔امام ابن ماجہؒ نے حضرت رباح بن ربیعؓ سے مروی حدیث بیان کی ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ کسی چیز کے پاس جمع ہیں۔آپؐ نے ایک آدمی کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ لوگ کس چیز کے پاس جمع ہوئے ہیں۔ اُس نے آکر بتایا کہ ایک مقتول عورت کے پاس ،فرمایا: یہ عورت تو جنگ نہیں کرتی تھی ،حضرت رباحؓ بیان کرتے ہیں کہ اگلے دستے کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔لہذا آپؐ نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا کہ خالد سے کہنا کہ مشرکین کیعورتوں اور لوگوں کی خدمت کرنے والوں کو ہر گز قتل مت کرنا۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ بچوں اور خدمت گزاروں کو ہر گز قتل نہ کرنا۔(۶۳)

۲۰۔دشمن کے جانوروں پر ظلم وستم کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے جانوروں پر ہر طرح کے ظلم و ستم سے منع کیا ہے، حضرت عبدالرحمن بن عبداللہؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے، انہوں نے اس کے بچے پکڑ لیے تو چڑیا اضطراب اور پریشانی میں پَر بچھانے لگی۔جب حضور نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا ہے؟ اس کے بچے اسے لوٹا دو۔(۶۴) پھر آپؐ نے چیونٹیوں کا ایک بل دیکھا جسے جلایا گیا تھا، تو آپؐ نے اس کی ممانعت بیان کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ کے رب کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔(۶۵)

ان احکام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کو ان تمام وحشیانہ افعال سے پاک کر دیا جو اس عہد میں جنگ کا ایک لازمی جزو تھے۔ اسیر ان جنگ اور سفیر کا قتل، معاہدین کا قتل، مجروحین کا قتل، غیر اہلِ قتال کا قتل، اعضا کی قطع و برید، مردوں کی بے حرمتی، آگ کا عذاب، لوٹ مار، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بدعہدی و پیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی و بدنظمی اور لڑائی کا شور و ہنگامہ، سب کچھ آدابِ جنگ کے خلاف قرار دیا اور جنگ صرف ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی کو کم سے کم نقصان پہنچا کر اس کے شر کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی۔

۳۔ نتیجۂ مقالہ

پیش کردہ حقائق و گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو خیر و عافیت کی دعوت دیتا ہے تاکہ افرادِ معاشرہ کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا جا سکے، مدنی عہدِ نبوت میں مؤاخات، میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور خطبۂ حجۃ الوداع، رسول اللہ ﷺ کے امن و سلامتی سے متعلق افکار و نظریات کی خوبصورت جھلکیاں ہیں۔ اس عہد میں آپؐ کو بیشتر غزوات و سرایا کی منصوبہ بندی کرنا پڑی، تمام تر سیاسی و عسکری دباؤ کے باوجود آپ نے امن کی دعوت کا علم اٹھائے رکھا، دورانِ جنگ مخالفین کا کشت و خون اور ان کی املاک کی تباہی و بربادی عمومی طور پر انسانوں کا وطیرہ رہا ہے، اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے جنگی حکمتِ عملی میں انسانیت کی فلاح و بہبود اور اس کی بقاء و سالمیت کو مدِّ نظر رکھا، یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کا عملی نتیجہ عام جنگوں کے نتائج سے قطعاً مختلف برآمد ہوا۔ اِس مخصوص سیاسی و عسکری پس منظر میں یہ جنگیں امنِ عالم کے قیام کے لیے بنیادی اصول و ضوابط کی تشکیل کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ یہ ایسی مثالی جنگیں ہیں جنہوں نے انسانیت کو ظلم سے نجات دلائی اور امن کے مستقل قیام کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ آپؐ نے غزوات و سرایا کے مواقع پر جو اصول و ضوابط تشکیل دیے اُن سے معاشرہ میں خود بخود امن و سکون قائم ہو گیا۔ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو ان اصولوں کی پاسداری کی تلقین فرمائی اور خود اس کے لیے جامع حکمت عملی بھی اختیار کر کے دکھائی۔ ان اصولوں و ضوابط میں انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ، ظلم اور بلاجواز تشدد کی ممانعت، مظلوم کی مدد، عہد شکنی سے

گریز، غیر حربی افراد نیز بوڑھوں، بچوں، خواتین، تاجروں، کسانوں اور خدمت گزاروں کے قتل سے ممانعت، املاک کی تباہ کاری،انسانی جان کا مثلہ، قتلِ اسیر، قتلِ سفیر، درخت کاٹنے، جانوروں کو ذبح کرنے،عبادت گاہوں کے انہدام،مالِ غنیمت کی تقسیم میں خیانت کرنے، فوجوں کی پیش قدمی کے وقت فصلوں کو نقصان پہنچانے، کھیتوں کو تباہ کرنے،لوٹ مار کرنے، لوگوں کی عزت وآبرو کو پامال کرنے اور آگ لگانے ایسے منفی اقدامات سے منع فرمایا۔ حضور ﷺ کی طرف سے غزوات و سرایا میں اختیار کی جانے والی ان تدابیر کا بنیادی مقصد ومنشا دین اسلام کی سربلندی اور معاشرے کو امن و سکون فراہم کرنا تھا۔ آپؐ کی طرف سے کیے جانے والے عملی اقدامات کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ افراد جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اسلام دشمنی اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی مخالفت میں صرف کیا، جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ لویس معلوف الیسوعی، المنجد، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۸۸

۲۔ ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم (م ۷۱۱ ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ج: ۱۳، ص: ۲۱

۳۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ)، مفردات القرآن، مکتبہ قاسمیہ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص: ۶۷

۴۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۲۲

5. Lindsay Jones; Mircea Eliade; Charles J Adams, The Encyclopedia of Religion, Macmillan Reference USA, 2005, Vol:2, P:22

6. Ibid, Vol:11, P:22

7.Ibid, Vol:17, P:222

۸۔ جمشید البرٹ، مضمون: ''بائبل کے تناظر میں امن وانصاف''، مترجم: فہمیدہ سلیم، مجلّہ المشیر، کرسچن سٹڈی سنٹر، راولپنڈی، ۲۰۱۶ء، ج: ۵۷، شمارہ: ۱، ص: ۱تا۲۵

۹۔ آئرہ اندریاس، مضمون: ''قیامِ امن میں خواتین کا کردار: مواقع اور ممکنات''، مترجم: احتشام روی، مجلّہ المشیر، کرسچن سٹڈی سنٹر، راولپنڈی، ۲۰۱۶ء، ج: ۵۷، شمارہ: ۱، ص: ۲۶تا۳۴

10. Lindsay Jones; Mircea Eliade; Charles J Adams, The Encyclopedia of Religion, Vol:11, P:223

11. Ibid

12.Ibid

۱۳۔البقرۃ:۲۰۵،القصص:۷۷،الاعراف:۸۵

۱۴۔المائدۃ:۳۳

۱۵۔بنی اسرائیل:۳۳،المائدۃ:۳۲

۱۶۔بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل(م۲۵۶ھ)،الجامع الصحیح،دارالکتب، قاہرہ،۲۰۰۰ء،رقم:۱۲۱

۱۷۔الحجرات:۹

۱۸۔الحجرات:۱۱۔۱۲

۱۹۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۱۷۴۱

۲۰۔البقرۃ:۱۸۸

۲۱۔الانعام:۱۰۹

۲۲۔المائدۃ:۸،النحل:۹۰،النساء:۵۸

۲۳۔البقرۃ:۱۲۶،آل عمران:۹۷،التین:۳

۲۴۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن،ص:۶۶۵،ابن منظور،لسان العرب،ج:۱۵،ص:۱۲۳،ابن حجر، احمد بن علی(م۸۵۲ھ)،فتح الباری،دار نشر الکتب الاسلامیہ،لاہور،ج:۷،ص:۱۵۵

۲۵۔آل عمران:۱۵۶

۲۶۔عبدالحفیظ، مصباح اللغات، مکتبہ برہان اردو، دہلی، ۱۹۵۵ء، ص۳۵۱،ابوالفتح عزیزی، مفتاح اللغات، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی،۱۳۷۶ھ، ص۳۵۷،ابن منظور،لسان العرب،ج:۱۴،ص:۳۸۲

۲۷۔وحیدالزمان،لغات الحدیث،میر محمد کتب خانہ، کراچی،ج:۳،ص:۳۸

۲۸۔بخاری،الجامع الصحیح،کتاب المغازی،باب غزوۃ العشیر،اوالعسیر،رقم:۳۹۴۹،الواقدی،محمد بن عمر،کتاب المغازی، مطبع جامعہ آکسفورڈ، برطانیہ،۱۹۶۶ء،ج:۱،ص:۷،ابن سعد، محمد بن سعد(م۲۳۰ھ)،الطبقات الکبری، دارصادر، بیروت، ۱۹۸۵ء،ج:۲،ص:۵،ابن سید الناس، محمد بن محمد بن محمد، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر،دارالآفاق،بیروت،۱۹۸۰ء،ج:۱،ص:۱۳۴

۲۹۔غزوات وسرایا کی تعداد میں اختلاف اوراس سے وابستہ دیگر تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو:
شگفتہ نوید(راقمہ)،مقالہ ایم فل:''غزوات وسرایا کا قیامِ امن میں کردار۔ تحقیقی مطالعہ''،شعبہ علومِ اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، سیشن ۲۰۱۰ء تا۲۰۱۲ء،ص:۲۷تا۶۵

۳۰۔البقرۃ:۱۹۰

۳۱۔الترمذی،ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ(م۲۷۹ھ)،السنن،دارالسلام،ریاض،۱۹۹۹ء،رقم:۱۴۲۱

۳۲۔الحج:۳۹

۳۳۔البقرۃ:۱۹۱

۳۴۔الانفال:۷۲

۳۵۔الانفال:۳۹

۳۶۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۲۵

۳۷۔المائدہ:۳۳۔۳۴

۳۸۔التوبۃ:۱۲۔۱۳

۳۹۔ابوداؤد،سلیمان بن اشعث(م۲۷۵ھ)السنن،دارالسلام،ریاض،۲۰۰۰ء،رقم:۲۶۱۴

۴۰۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۲۹۴۵

۴۱۔ابوداؤد،السنن،رقم:۲۶۷۵

۴۲۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۳۰۱۶

۴۳۔احمد بن حنبل(م۲۴۱ھ)،مسند،دارالاشاعت،کراچی،۱۹۶۰ء،ج:۵،ص:۴۲۲

۴۴۔البقرہ:۲۰۵

۴۵۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۲۴۷۴

۴۶۔مسلم بن حجاج القشیری(م۲۶۱ھ)،الجامع الصحیح،دارالسلام،ریاض،۲۰۰۰ء،رقم:۱۷۳۱

۴۷۔بلاذری،احمد بن یحیٰ بن جابر(م۲۷۹ھ)،فتوح البلدان،مکتبہ الہلال،بیروت،۱۹۸۸ء،ص:۵۳

۴۸۔محمد:۴

۴۹۔القرطبیؒ،ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر شمس الدین (م۶۷۱ھ)،الجامع لاحکام القرآن،دارالکتب، قاہرہ، مصر،۱۳۸۴ھ،ج:۴،ص:۴۷

۵۰۔ابوداؤد،السنن،رقم:۲۷۶۱

۵۱۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۳۱۶۶

۵۲۔مسلم،الجامع الصحیح،رقم:۱۷۳۸

۵۳۔ابوداؤد،السنن،رقم:۲۶۲۹

۵۴۔بخاری،الجامع الصحیح،رقم:۲۹۹۲

۵۵۔ابن حبان،محمد بن حبان بن احمد بن حبان(م۳۵۴ھ)،"الصحیح"،کتاب السیر،باب:الخروج وکیفیۃ الجھاد،المکتبۃ الاثریۃ،جامع مسجد محمدی اہل حدیث باغوالی،سانگلہ ہل،پاکستان،ج:۸،ص:۱۳۸،رقم:۴۷۶۵ وابن حجر العسقلانی،فتح الباری،کتاب الجہاد والسیر،باب:قتل النساء فی الحرب،رقم:۳۰۱۵ وابن ماجہ (م۲۷۳ھ)، السنن،کتاب الجہاد،باب:الغارۃ والبیاتو قتل النساء والصبیان،بیتالافکار الدولیۃ،عمان،۲۰۰۷ء،رقم:۲۸۴۱

۵۶۔نسائی،احمد بن شعیب(م۳۰۳ھ)،السنن الکبری،بیت الافکار الدولیۃ،عمان،۲۰۰۳ء،کتاب الجھاد،باب:النھی عن قتل زراری المشرکین،رقم:۸۶۱۶

۵۷۔بیہقی (م۴۵۸ھ)،السنن الکبری،دار صادر،بیروت،۱۳۵۵ھ،کتاب السیر،باب:ترک قتل من لا قتال فیہ من الرھبان والکبیر وغیر ھما،ج:۹:ص:۹۰

۵۸۔م۔ن

۵۹۔بیہقی، السنن الکبری، کتاب السیر،باب :من اختار الکف عن القطع والتحریق اذاکان الاغلب أنھاتسیصر دار اسلام اودار عھد،ج:۹،ص:۸۵

۶۰۔م۔ن،باب:ترک قتل من لا قتال فیہ من الرھبان والکبیر وغیر ھما،ج:۹،ص:۹۰

۶۱۔م۔ن

۶۲۔م۔ن

۶۳۔ابن ماجہ،السنن،کتاب الجہاد،باب:الغارۃ والبیات و قتل النساء والصبیان،رقم:۲۸۴۲ وابن حبان، الصحیح،کتاب السیر،باب:الخروج وکیفیۃ الجہاد،ج:۸،ص:۱۴۰،رقم:۴۷۶۹

۶۴۔ابوداؤد،"السنن"،کتاب الجھاد،باب:کراھیۃ حرق العدو بالنار،رقم:۲۶۷۵

۶۵۔ابن حجر العسقلانی،"فتح الباری"،کتاب الجھاد والسیر،باب:لا یعذب بعذاب اللہ،رقم:۲۸۵۳